ہمچو اد ھم بحر حق با یک پیالہ جستہ اَم　　مثل قرنی دُرِّ دیگر را تلاشے کردہ اَم

در شبیہم بر دیارت نسبتے آوردہ اَم　　بہر اُمت تحفہ نورِ جمالت بُردہ اَم

دُرِ عینی

حیات قبلہ بابا عبید اللہ دُرانی مدظلہ العالیٰ

باب ۸

پشاور

بشارتوں کے ذریعہ شیخ کے حکم سے ہندوستان سے پاکستان کے لئے روانہ ہوئے۔ زمانہ اب بھی پُر آشوب تھا۔ سفر خطرے سے خالی نہ تھا، لابنی بیماری اور قادر نگر وجیانگرم (ہند) کے طویل قیام کے دوران داڑھی، مونچھیں، سر کے بال ایک نیم مدہوشی اور مجذوبانہ سی حالت میں بے ہنگام طور پر بڑھ گئے تھے۔ ریل میں بیٹھے، راستے میں جن سنگھی ڈبہ جھانک کر آ بیٹھے۔ پہلے تو اندازہ لگاتے رہے کہ یہ کونسی قوم کا شخص ہے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ مسلمانوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ اس سے کام نہ بنا تو نبی کریمؐ کی شان میں گستاخی کی۔ اس پر قبلہ کا خُون کھول پڑا۔ اب تک ضبط کیا۔ اب قابو سے باہر ہوا چاہا کہ پھٹ پڑیں کہ بابا جان کا ہاتھ کاندھے پر محسوس کیا۔ سختی سے فرمایا خبر دار، صبر۔ قبلہ نے گردن جھکادی۔ ان لوگوں ن جب قبلہ کو ٹس سے مس ہوتے نہ دیکھا تو جھنجلا کر کہا، اچھا تم کوئی بھی ہو، تلوار کھینچ لی، کہا کہ گردن اڑاتے ہیں۔ قبلہ نے کہا جو تمہاری مرضی، مگر ایک بات سُن لو۔ کھڑے ہو گئے، الفاظ دریا کی طرح رواں ہوئے۔ ان ہی کی کتابوں کے حوالے سے احترامِ انسانیت، مقامِ آدمیت، خدمت و مقامِ فقیر، کی باتیں بتائیں۔ پھر فیض اولیائے کرامِ ہند۔ مقامِ اولیاء، مقامِ مرسلین، مقامِ اوتار، مقام ختم المرسلین سمجھایا۔ اس پر وہ لوگ قدموں میں گر پڑے کہ ہم سے بھول ہوئی۔ معافی مانگی، ڈبہ سے اتر گئے اور گارڈ اور ٹکٹ کلکٹروں کو ہدایت کی کہ یہ شخص بھگت ہے۔ اسے حفاظت سے سرحد پار پہنچائو۔

ہندوستان و پاکستان کی جب سرحد پار کر رہے تھے تو پاسپورٹ چیک دیا چوکی کے افسروں نے پاسپورٹ کا پوچھا تو جواب دیا کہ بانیانِ پاکستان کو پاکستان آنے کے لئے پاسپورٹ کی کیا ضرورت ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے۔ ٹیلیفون کر کے لیاقت علی خان یا کسی دوسرے بڑے رہنما سے پوچھ لیجئے کہ میں کون ہوں۔ لیاقت علی خان کو جب اطلاع ملی تو انہوں نے ٹیلیفون پر کہا کہ اسے آنے دیجئے۔ اس مہاپاکستانی کو پاکستان میں داخل ہونے سے کون روک سکتا ہے۔

کراچی کچھ عرصہ مقیم رہے۔ اس کے بعد پشاور کی راہ لی جہاں کی بابت مرشد کا ارشاد ہوا تھا۔ یہاں یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی سے علی گڑھ کے زمانہ سے صاحب سلامت تھی۔ انہیں قبلہ کی اس جدوجہد کا حال معلوم تھا جو انہوں نے انجینئرنگ کالج کے لئے علی گڑھ میں کی تھی۔ مگر افسوس کیا کہ الیکٹریکل انجینئرنگ کا پروفیسر ایک جرمن ہے جو جرمنی چھٹی پر گیا ہے۔ قبلہ کی پشاور کی جائے قیام اور کراچی کا پتہ دریافت کر لیا کہ آئندہ کوئی موقع ہوا تو بُلا لیں گے پھر دوسرے ہی دن شام کے وقت قبلہ کی قیام گاہ پشاور پہنچے اور کہا کہ بھائی خوش قسمت ہو۔ اُس جرمن کا تار آ گیا ہے کہ نہیں آرہا۔ کل انٹرویو کے لئے آجائو۔ قبلہ کی اس وقت یہ حالت تھی کہ وہی بے ہنگام سر، داڑھی اور مونچھوں کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ سفر کے دوران شیروانی اور پاجامہ بھی سیلائی ہو چکا تھا۔ غرض اسی حالت میں انٹرویو میں پہنچے۔ دوسروں نے تو بات نہ کرنا چاہی۔ مگر ایک امریکن اسپیشلسٹ انٹرویو بورڈ میں تھا اس یہ ظاہر میلے کچیلے حُلیے والے کے پیچھے واقعی کار آمد شخصیت ہے۔ پھر تنخواہ کی بات چیت آئی۔ قبلہ سے دریافت کیا گیا کہ علی گڑھ میں کتنی ملتی تھی۔ قبلہ نے فرمایا معلوم نہیں۔ اصرار کیا گیا تو بھی معذرت چاہی کہ تنخواہ کا جو کچھ ملتا تھا وہ لفافہ میں اپنے گھر میں دے دیتا تھا۔ اس پر ایک صاحب نے کہا مجھے دنیا میں وہ شخص دیکھنا ہے جو تنخواہ میں دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ اس پر قبلہ اپنی کرسی سے کھڑے ہو گئے اور

کہا کہ وہ شخص آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ سنبھالئے اپنی ملازمت اور یہ کہہ کر باہر نکل گئے۔ سیدھے جائے قیام پہنچے اور تانگہ میں بیٹھ کر اسٹیشن چل دیئے ڈاکٹر صدیقی، کار میں نکلے۔ جائے قیام پر دیکھا، بالآخر ریل کے ڈبہ میں قبلہ کو تلاش کر لیا۔ اور کہا کہ تم فضول خفا ہو گئے۔ لو، واپس اترو تمہارا سلیکشن ہو گیا ہے۔ اس پر قبلہ نے کچھ عرصہ کے لئے مہلت چاہی کہ حُلیہ ٹھیک کر کے کپڑے وغیرہ بنوا کر آجائوں گا۔ دو ماہ بعد ستمبر ۵۴ء میں قبلہ اپنے داڑھی مونچھ کے بال صاف کرا کے۔ بال ترشوا کر، عام پڑھے لکھے لوگوں کا سا لباس پہن کر پشاور پہنچے اور انجینئرنگ کالج کی ملازمت اختیار کر لی۔ الیکٹریکل انجینئرنگ کے پروفیسر مقرر ہوئے اور بالآخر اسی کالج کے ایکٹنگ پرنسپل مقرر ہوئے اور پندرہ سال سروس کے دوران ایکٹنگ ہی رہے جس کی کبھی پرواہ نہ کی پرنسپل شپ کے عہدہ کو قبول کرنے سے دو باتوں کے تحت معذوری ظاہر کی ایک یہ کہ اکائونٹس کے جھنجھٹ میں پڑنے دوسرے کسی کو سخت سست کہنے کی فطری عادت نہیں تو اس پر اس وقت کے وائس چانسلر رضی الدین صاحب نے کہا تھا کہ یہ ذمہ داری میں اٹھالوں گا۔ قبلہ نے اس پرنسپل شپ سے کئی بار مستعفی بھی ہونا چاہا مگر یونیورسٹی کسی نہ کسی طرح یہ ذمہ داری قبلہ کو ہی سونپتی رہی۔ کئی بار یونیورسٹی نے کوئی پرنسپل مقرر کرنا چاہا مگر ایک نہ ایک صورت ایسی ہوئی کہ کوئی صاحب اس جگہ مستقل طور سے نہ آسکے۔ قبلہ کے لئے مقصدِ ملازمت نہ اقتدار کی تلاش تھی نہ ترقی روزگار و معاش کی، یہ تو ایک عطا کے طور پر مل ہی رہا تھا۔ اس عطا کی قدر وہی جان سکتا ہے جو اپنی ساری زندگی کسی کے حوالے کر کے پھر اس کے کرم و احسان پر زندگی گزار رہا ہو اور یوں بھی جو طلب و آرزو سے گزرا اس کی ہر آرزو پوری کی جاتی ہے وہی جذبۂ خدمت خلق جو زندگی کی روشنی بن چکا تھا۔ صبح سے شام تک قبلہ کے ہر عمل و کردار سے نمایاں تھا۔ انجینئرنگ کالج کے لئے قیمتی ساو سامان، ولایت سے زرِ کثیر صرف کر کے یونیورسٹی نہ منگوا سکی تو اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ وہی علی گڑھ والا سلسلہ، پرانے یا کباڑ کے سامان سے کالج کی ضرورت کی مشینری بنالینا یہاں بھی جاری ہوا۔ وہی انہماک کار، وہی پُر خلوص دلچسپی انجینئرنگ کالج کے اسٹور کے چپہ چپہ سے واقفیت۔ کباڑیوں کی دکانوں پر مستقل چکر لگانا اور پھر ضرورت کے لحاظ سے پہلے سے منصوبہ بندی کر کے آلات اور مشینوں کا اکٹھا کیا جانا ایک مرغوب شغل تھا۔ پُرانے سامان اور پرزوں سے مشینوں کی مرمت کا سلسلہ تمام دورانِ ملازمت جاری رہا۔ پشاور کے امریکن بیس سے اور اس کے علاوہ امریکن ایڈ کے تحت بہت کچھ سامان کالج کے لئے حاصل کیا جاتا رہا۔ جس سے آئندہ برسوں تک کالج کی ضرورتیں پوری ہوئیں پھر ایک جہاں گشتی کے زمانہ میں مختلف بیرونی ممالک خصوصاً امریکہ کے فلاحی اداروں سے ایسے ایسے قیمتی آلات اور مشینیں مفت حاصل کی گئیں، جو پاکستان حکومت کے دفاعی اداروں کے بھی جنگ ۶۵ء کے آڑے وقت میں کام آئیں۔ انجینئرنگ کالج بھی رفتہ رفتہ ایک قابل قدر ادارے میں تبدیل ہو گیا۔ اس قیمتی مشینری کے لئے یونیورسٹی کو صرف کراچی سے پشاور تک سامان کے لئے پچاس ہزار کی رقم کرائے میں صَرف کرنا پڑی۔ اسی کرائے کی رقم سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو سامان انجینئرنگ کالج کے لئے بیرونی ممالک سے مفت حاصل ہوا اس کی قیمت بذات خود کتنی ہو گی۔ اور شپنگ کے اخراجات بھی اُن فلاحی اداروں نے کتنے ادا کئے ہوں گے۔ اس کالج میں ہائیڈرولکس لیبارٹری بنائی گئی جو ملک کے کالجوں کے لئے بھی بطور نمونہ پیش ہوئی۔ سول، الیکٹریکل مکینکل انجینئرنگ کے علاوہ ایک شعبہ ایگریکلچرل انجینئرنگ کا بھی قائم کیا گیا۔ میٹیریل ٹسٹنگ لیبارٹری۔ ریڈیو اور الیکٹرانک لیبارٹریاں قائم ہوئیں۔ ایک ہائی ٹنشن لیبارٹری کی علیحدہ عمارت بنائی گئی مگر امریکن امداد رُک جانے کے باعث وہ منصوبہ تکمیل کا منتظر ہے۔ بہر کیف ایک اہم تعلیم کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے تاکہ اگلے والے زمانہ میں اس کالج میں کام کرنے والوں کے لئے ایک مستقبل کا نصب العین بھی سامنے رہے۔

قبلہ کی اس عظیم خدمت اور اس کالج کی اہمیت کے جہاں سینکڑوں معترف ہیں وہاں ایسے بھی چند ایک احسان فراموش تھے جنہیں اس مجلّٰی آئینہ میں اپنی مکروہ شکل ہی نظر آئی۔ قبلہ کے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی جب الزامات اور بہتان تراشی سے کام نہ بنا تو کینہ پروری، اعزا پروری اور وائس چانسلر بننے کی کوشش وغیرہ کے بے بنیاد مضامین ایک مقامی اخبار میں نکال کر ہی اپنا دل ٹھنڈا کیا۔

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ مصلحین، مفکرین، خادمین قوم کو خراجِ تحسین ملنے کے ساتھ ساتھ یہ گند بھی ضرور اچھالی جاتی ہے ہماری تاریخ جہاں روشن بابوں سے پُر ہے وہاں خلفائے راشدہ تک کے زمانوں کے دل خراش واقعات بھی جیسے قسمت میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ غالباً تخلیق وجود بھی تو اسی انداز میں ہے کہ انفرادی جسم تک میں جہاں لطافتیں ہیں وہاں کثافتیں بھی ساتھ ہی لگی رہتی ہیں۔ جمعیت کے پاک مطہر لوگوں کی نظر لطافت پر جاتی ہے اور کثافتوں کے پروردہ ہر شے میں کثافت ہی دیکھتے ہیں۔ یہ اپنی کوربینی کا قصور ہے کہ شمس کی تجلی میں بھی انہیں تاریکی ہی نظر آتی ہے۔ مگر اس کوتاہ بینی سے شمس کا فیضان تو نہیں رُکتا۔ یہ فیض تو ایک صدقہ جاریہ کی طرح قوم کی آبیاری صدیوں تک کرتا رہتا ہے۔

O

پیر و مرشد کے حکم کے تحت پشاور کے قیام کا مقصد روشنی باطن کو بلاد ہند کے جنوبی گوشہ سے لے کر شمالی علاقہ پہنچا دینا مقرر تھا۔ قبلہ نے اپنی فطری سادگی اور عاجزی کے سہارے بساطِ فقیر کو زمین میں پھیلانے کی بجائے قلب و روح کی بسیط فضائوں میں نشر کرنے کو ترجیح دی۔ جس فقیر کی اصلہا ثابتٌ ناگپور میں بہ فیضان بابا تاج الدینؒ محکم تھی اور جس کی فرع بہ فیضان بابا قادر اولیاءؒ وزیانگرم جنوبی ہند میں اپنی کھلی بہار دکھا چکی تھی، اس کی تنویروں کا نشر بابا درانی نے آسمان وجود یعنی روح، امر ربی کے مقام سے کرنا تھا۔ اس کے لئے نہ کسی ظاہری طور طریق اور سلسلوں کے پھیلانے کی ضرورت تھی نہ رسومِ درویشی کی ظاہری پابندیوں کی جن کو دیکھ کر خلقت ارد گرد جمع ہونی شروع ہوتی ہے۔ اسی لئے بابا درانی کی روزمرہ زندگی اس طور طریق کی رہی کہ ظاہر بینوں کی نگاہ میں جیسے دوسرے عام انسان ہوتے ہیں دیکھا جائے تو بابا درانی کا مقصد، حق کا بول بالا کرنا تھا نہ کہ اپنی شخصیت کا، اور یہ ظاہر بیں دنیا تو صرف کشف و کرامات کی قائل ہوا کرتی ہے جس سے انہوں نے ہمیشہ پرہیز کیا۔ یوں بھی ظاہری تجلیاں دیکھ کر متلاشیانِ حق زیادہ سے زیادہ اس ہستی کے قائل ہو جاتے ہیں جو مظہر حق بن کر سامنے ہوتی ہے۔ حق تک رسائی کا اگلا قدم تو اس فرمانِ کا عین ہے کہ مجھ میں دیکھو۔ یعنی وجود سے ماوراء حقیقت تک رسائی ہونا تو کچھ اور بات ہے۔ اسی لئے بابا درانی نے عامیانہ سطح پر زندگی گزارتے ہوئے باطنی دنیا سے روشناس کرانے کے لئے پہلا قدم مقام قلب قرار دیا۔ اس طرح اپنے ہر عمل میں محبت کا ظہور، میل جول، ملاقاتیں، عملی دردمندیوں کا اظہار، نگاہوں سے، ہمدردانہ باتوں سے محبتیں انڈیلنا برسوں ہوا کیا۔ عوام سے خواص سے جو بھی موقع ملا، ملاقاتیں کرنا شغل رہا۔ اپنے شکستہ جسم کی معذوریوں کو اس راہ میں بالکل حائل نہ ہونے دیا۔ جہاں اللہ والے کا نام سنا پہنچے۔ مزاروں پر حاضریاں دیں۔ قوالی محفلوں، نیازوں میں شرکت کی۔ ادبی محفلوں، علمی پروگراموں میں برابر دلچسپی قائم رکھی۔ بازاروں، گلیوں، خلقت میں اس لئے گھومے کا محبت عام ہو۔ نہ من بیہودہ گردِ کوچہ و بازار می گردم، کے جذبہ کو ایک معنویت کے روپ میں اپنایا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کہ محبت عام ہو۔ اس محبت کے نشر کی شدتیں مادی سطح سے کہیں زیادہ برق ساسامانیوں کے ساتھ اپنے باطن وجود میں ہو رہی ہوتی ہیں۔ انہیں کون دیکھتا، اسی شدتِ شوق کے اظہار کی ایک نشانی یہ تھی کہ قسم قسم کی مچھلیاں (متلاشیانِ بحر حق کی نشانی) پالیں۔ پہروں یہاں تک کہ راتوں ان کی دیکھ بھال کی۔ قسم قسم کے ہزاروں پودے (اصلُھا ثابتٌ وفرعُھا فِی السماء دین) نرسریوں سے تلاش کر کے بڑی احتیاطوں سے ان کی پرورش کی اور یہ سب کچھ ایسے دردِ دل سے کہ جیسے اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی اپنے مقصد حیات کا نہیں۔ پھر کیکٹس (خار والے

۔ انانیت کے مظہر) جمع کرنے کا شوق ایسا ہوا کہ ہزاروں قسم نایاب سے نایاب تر، صرف اس شوق کو ظاہراً پورا کرنے کے لئے کہ کبھی تو پھول دیتے ہیں۔ خواہ رات کے دو بجے صرف چند منٹ کے لئے ہی سہی۔ تو یہ سب ظاہری دنیا میں ایسی نشانیاں جمع کرنے کا شوق اور خصوصاً کباڑی بازار کے روزانہ چکر اور کباڑ سے کوئی مفید مشین یا چیز بنانے کے پروگرام برسوں اسی لئے ہوئے کہ بابا درانی کا دائرہ عمل انسانوں کے ہر طبقہ اور ماوراء سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر شے، ہر عمل میں حُسنِ حقیقت کی تلاش ان کی فطرتِ ثانیہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ ان مشغلوں میں خون پسینہ صرف کرنا بے معنی بات نہیں۔

مادی سطح پر ہی اگر کسی فقیر کے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا جائے تو اس کے حلقۂ اثر کا حق والے بھی ہوتے ہیں۔ دنیا و آخرت کے حسنات والے بھی اور خالص دنیا دار بھی۔ مگر اس کا باطنی دائرہ عمل اپنے اردگرد کے ماحول سے کہیں وسیع ہوتا ہے اور اس کی اپنی اکملیت کے مطابق۔ جغرافیائی حدود اس کی وسعتوں کو محدود نہیں کرتیں جذب کی راہوں سے گزرنے والے، ذات کو اپنائے ہوتے ہیں اور چونکہ ہر وجود مظہر ذات ہے اس لئے وہ سب تخلیق کو ایک وحدت کی اکائی میں دیکھتے ہیں دنیا والوں کے لئے اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ فقیر کا سیدھا سادھا عمل بھی معنی در معنی گہرائیاں لئے ہوتا ہے۔ دل یہ یار دست بہ کار کا مقولہ عشق کی دنیا میں، وجود، قلب، روح کے ربط کا ایسا انوکھا انداز بن جاتا ہے کہ ہر سانس میں محبوبؐ کی یاد، ہر ہر قدم محبوبؐ کی جانب۔ اس طرح فقیر کے دنیا کے عمل بھی ٹھیک ہوتے رہتے ہیں اور وہ ایک لمحہ بھی اپنی راہ سے نہیں ہٹتا۔ جس کے سر میں عشق کا سودا سما گیا ہو اس کا ہر ذرہ وجود محبوبؐ کے لئے۔ دنیا والوں کی نگاہوں میں وہ عام انسان نظر آتا رہتا ہے۔ قلب و روح کی دنیا کا حال کون جانے۔ حقیقت بینوں کی نگاہیں فقیر کے ہر عمل میں، پس پردہ حق کی کارفرمائیاں دیکھتی ہیں۔ فقیر کی زندگی کی مادی سطح تک نگاہ رکھی تب بھی وہ عام انسانوں سے زیادہ شفیق، خلیق، نرم گفتار، منکسر، عاجز، خادم نظر آتا ہے اور قلب کی گہرائیوں سے کچھ تعلق قائم ہوا تو وہاں محبتوں کے سمندر طغیانی، طوفانی اُمنڈتے دیکھے پھر روح، امرِ ربی کی کارفرمائیاں تو وہ دیکھے جسے جیتے جی مقام روح نصیب ہو چکا ہو۔ جو خود محبوبیت کے زمرہ میں آ گیا ہو۔ مقامِ روح سے ساری تخلیق وجود میں امرِ ربی کی کارفرمائی ہے یہیں سے عالم مثال کے نقشے ہیں، جن کے تحت دنیوی واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ایک یکتائیت توحید امر کُن اور فیکونِ ظہور میں قائم ہے۔ عالم مثال اور عالم ظہور میں ایک مضبوط رابطہ ہی مشیت ایزدی کو نمایاں کرتا ہے۔ اسی کے تحت پتہ پتہ اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا۔ پھر عالم مثال سے بھی پرے رحمت ہے۔ رحمت وُسعَ کُلِّ سے۔ بے سبب، بے وجہ، بے حد، بے نہایت۔ فقر کی منزل اسی عالم رحمت سے رابطہ کی بات ہے۔ عالم رحمت سے رابطہ نسبت محمدیؐ، نورِ محمدیؐ کے ذریعہ ہے۔ پردہ کی بات پردہ میں ہی رکھنا مناسب ہے۔ کون جانے، کون سمجھے

کوئی حد ہے ان کے عروج کی، بلغ العُلیٰ بِکمالہٖ

یہ سب کچھ عشق کی دسترس میں ہے، عشق ہی بنیادِ وجود ہے۔ عشق ہی ظہور اولیں۔ ہر ذرہ کائنات کی فطرت میں عشق ہے۔ اَجبتُ عَن اُعرِفَ۔ وہ اپنے پہچانے جانے کا شوق، جو حق نے سب مخلوق میں ودیعت کیا، انسان میں اکمل ظہور میں ہے۔ اسی جذبہ کے تحت من عَرَفَ نفسہٗ، اپنی پہچان کا شوق۔ یہ اگر تکمیل پاتا ہے تو عشق کی صورت میں عشق کو جگانے کا طریقہ جو بابا درانی نے اختیار کیا وہ مقامِ روح سے اللہ اللہ۔ صَلَّ اللہُ عَلَیکَ یا محمد۔ جب امر بسم اللہ کے تحت یہ روح میں کُن سلسلہ بہ سلسلہ عطا کر دیا تو رحمت محمدی کے طفیل، فضا خوشبوئے مشک یٰسین سے معطر ہوتی چلی جائے گی۔ اللہ اور رسولِ پاکؐ کا عشق، خدمت خلق، دردِ امت، باہمی اخوت اور محبت کی فراوانیوں میں پروان چڑھے گا۔ ایسے قلوب ان لطافتوں میں حیاتِ

جاوید حاصل کرلیں گے جن کے نصیب میں جہاد اور شہادت سے امت کی حیات کی آبیاری کرنا مقرر ہے۔ فروغِ اسلام کا یہ وہی جذبۂ اولیں ہے جس کے تحت سیدھے سادھے بدو جیسے رحمت کا پیام لے کر جہان میں پھیلے۔ اسی باطنی سبق کی زمانہ میں یاد دہانی اور اجراء کی ذمہ داری اپنے اپنے زمانہ میں فقراء اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کی۔ انہیں نہ اپنے نام ونمود کا شوق تھانہ ولایتوں کی منزلیں طے کرنے کا۔ انفرادیت کی "میں" سے ہٹا کر جمعیت کی وسعتوں میں ملت کو قیام عطا کرادینا ان کا مشن تھا۔ سلام ہے ان پر جن کے قلوب عشق سے پُر ہو کر یہی خوشبوئے حبیب دنیا میں نشر کرنے کا ذریعہ بنے اور جب بھی افراد کا باطن درست ہوا تو ان کا ظاہر بھی حسن شرع کی تجلی دینے لگا۔

باطن کے چراغ روشن کرنے کی فہم کو عام کر دینے کے لئے بابا درانی نے اپنی روزمرہ گفتگو، خصوصی محفلوں، شب بیداریوں، نیازوں میں امر باللہ کے سہارے فیض عام کیا۔ پھر رحمت عالم کے دردِ اُمت اور غمگساری کی سنت کی پیروی کو سب سے افضل سنت کی پیروی گردانتے ہوئے غم امت کو اپنا نصب العین بنا کر چند ایک تصانیف بھی پیش کیں کہ زمانہ کے کام آئیں۔ رحمت محمدی بلا تخصیص عام ہو جائے اور زمانہ حسب ضرورت اس بحر رحمت میں غواصی کر کے موتی چن لے جو ایک حکم کے تحت زمانہ کو پہنچا دینا ان کے ذمہ ہے۔ عوام سے قطع نظر، خواص کی سطح پر جو بابا درانی کی کوشش رہی وہ بھی اسی سیدھے سادھے جذبے یعنی دردِ امت کی جانب توجہ مرکوز کرانی تھی تاکہ فقرائے باطن کی صلاحیتوں کو نسبت محمدی کے رشتہ میں یک رخی حاصل ہو اور فقراء میں امت کے فروغ کے لئے ایک توحید فکر قائم ہو۔ قلب وروح کی سطح پر عمل پیرائی کا طریقہ کار اور مادی سطح پر فکر و عمل کی جانب بابا درانی نے اپنی مختلف تصانیف میں بھی نشاندہی کی ہے۔ یہ اُن کے مشن کی شاید ایک ہلکی سی جھلک ہی پیش کر سکیں گی۔ کیونکہ فقراء کا دائرۂ عمل گفت وتحریر کی دنیا سے پرے قلب وروح کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔

چند ایک تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

ودرایسادھو۔ حیاتِ قادر۔ کُن فیکون۔ چار اسلام

☆...☆...☆